© rasailojaraid.com

خطوطِ مودودی" : ایک تاثراتی مطالعہ

پروفیسر خورشید احمد

آخری قسط

راہِ عمل

خطوط مودودی" اگر ایک طرف ایمان افروز جذبات کا مرقع ہے تو دوسری طرف خود اس کارعظیم کا بڑا ہی واضح نقشہ بھی ان میں سامنے آتا ہے جو داعی انجام دینا چاہتا ہے اور جس کے لیے اس نے اپنی زندگی کے شب و روز وقف کر دیے ہیں۔ ان خطوط میں وہ جواہر ریزے موجود ہیں جو کئی کتابوں پر بھاری ہیں۔

چودھری نیاز علی خاں صاحب کو ۱۴ مارچ ۱۹۳۷ کے خط میں حیدر آباد، دکن سے لکھتے ہیں اور اپنی دعوت اور اس کے اہداف کی کتنی سچی اور موثر تصویر کھینچتے ہیں:

"ہم خالص قرآن کی بنیاد پر اسلام کی نشاتِ جدیدہ (renaissance) چاہتے ہیں۔ قرآن کی اسپرٹ اور اسلام کے اصول ہمارے نزدیک غیر متبدل ہیں، مگر افکار اور معلومات کی ترتیب اور عملی زندگی کے احوال پر اس روح اور ان اصولوں کا انطباق ہمیشہ احوال کے تغیر اور علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ بدلنا ضروری ہے۔ متقدمین اسلام اس چیز کو سمجھتے تھے، انھوں نے اپنے زمانے میں عملاً اس کو برتا، مگر متاخرین یہ سمجھے کہ اصول اور اسپرٹ کی طرح ان کا انطباق بھی غیر متبدل ہے۔ اسی چیز نے وہ جمود پیدا کیا جو سات سو برس سے ہمارے علوم اور ہمارے قوانین حیات پر طاری ہے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس جمود کو توڑنا چاہا مگر انھوں نے جو نشاتِ جدیدہ پیدا کرنی چاہی، وہ اسلام کی نشاتِ جدیدہ نہیں ہے، اس لیے کہ وہ روح قرآنی اور اصول اسلامی سے بے بہرہ ہیں، ان کی فکر ونظر اسلامی نہیں ہے۔ اس لیے وہ نہ مسلمان کی حیثیت سے سوچ سکتے ہیں، نہ اسلامی طریق پر معلومات کو مرتب کر سکتے ہیں، نہ زندگی کے معاملات کو مسلمان کی نظر سے دیکھ سکتے ہیں۔

ہمارا راستہ متاخرین اور متفرنجین دونوں سے الگ ہے۔ ہمیں ایک طرف روح قرآنی کو ٹھیک ٹھیک اپنے اندر جذب کرنا اور اپنی قوت فکرونظر کو اصول اسلامی سے پوری طرح متحد کرنا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری طرف علم کی ان ترقیات اور احوال کے ان تغیرات کا پورا پورا جائزہ لینا ہے جو گذشتہ سات آٹھ سو برس کی مدت میں ہوئی ہیں۔ اور تیسری طرف صحیح اسلامی طریق پر افکار و معلومات کو مرتب اور قوانین حیات کو مدون کرنا ہے تاکہ اسلام پھر سے بالفعل ایک dynamic force بن جائے اور دنیا میں مقتدی بننے کے بجائے مقتدیٰ اور امام بن کر رہے۔

"یہ ایک Herculean task ہے۔ اول تو ہم اس کو اس طرح شروع کر رہے ہیں کہ ہم سے پہلے، کوئی اس کے نشانات راہ چھوڑ کر نہیں گیا ہے۔ ہمیں خود ہی اپنی منزل مقصود کو پیش نظر رکھ کر راستہ بنانا اور اس پر چلنا ہے۔ دوسرے: یہ اتنا بڑا کام ہے کہ میری اور آپ کی اور ہم جیسے سیکڑوں آدمیوں کی پوری پوری زندگیاں بھی اس کے لیے کافی نہیں ہیں۔ اگر ہم یہ امید کریں کہ ہماری زندگی ہی میں اس کے پورے نتائج سامنے آجائیں گے، تو یہ غلط امید ہوگی۔ یہ کھجور کا درخت لگانا ہے، جو اس کو بوتا ہے، وہ اس کے پھل نہیں توڑ سکتا۔ ہم اس درخت کو لگائیں گے اور اپنے خون جگر سے اس کو سینچ کر چلے جائیں گے۔ ہمارے بعد دوسری نسل آئے گی اور شاید وہ بھی اس کے پھلوں سے پوری طرح لذت آشنا نہ ہو سکے گی۔ کم از کم دو تین پشتیں اس کے پورے نتائج ظاہر ہونے کے لیے درکار ہیں۔ لہٰذا ہمیں نتائج کے لیے بے صبر نہ ہونا چاہیے۔

"ہمارا کام یہ ہے کہ عمارت کا نقشہ ٹھیک ٹھیک (جیسا ٹھیک کہ ہم بنا سکتے ہیں) بنا دیں اور اس کی بنیادیں اٹھا کر نئی آنے والی نسل کو تعمیر کا کام جاری رکھنے کے لیے تیار کر دیں۔ اس سے زیادہ غالباً ہم کچھ نہ کر سکیں گے"۔ (خطوط مودودی: ۲، ص ۷۰-۷۱)

علما سے مشورے اور استفادے کے حصول کی ضرورت اور اہمیت کے بھرپور اعتراف کے ساتھ وقت کی اصل ضرورت کے بیان کرنے میں کوئی مداہنت نہیں برتتے نہ لگی لپٹی رکھتے ہیں۔ ایک اور خط میں چودھری نیاز علی خاں ہی کو لکھتے ہیں:

"یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ مولانا اشرف علی صاحب کے پاس آپ ہو آئے اور مطمئن آئے۔ ان کے علم و فضل اور تقویٰ کا میں خود بھی بہت احترام کرتا ہوں اور ہندوستان کے بہترین علما میں انھیں شمار کرتا ہوں۔ ان حضرات سے استفادہ کرنا اور ان کی ہدایات سے روشنی حاصل کرنا ضروری ہے۔ میں ان سے قطع تعلق کا تو وہم بھی نہیں رکھتا۔ البتہ تجربہ سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جس راستے پر ہم جانا چاہتے ہیں، اس میں یہ حضرات ہماری پیشوائی اور قیادت نہ کر سکیں گے، بلکہ ہمارے ساتھ بھی نہ چل سکیں گے"۔ (ایضاً، ص ۸۴)

مولانا مودودی پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں اور نصف صدی سے ان کی بوچھاڑ جاری ہے، ان میں سرفہرست ان کا یہ "جرم" ہے کہ انھوں نے اسلام کے لیے "تحریک" کا لفظ استعمال کیا۔ اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب مولانا مناظر احسن گیلانی کے نام اپنے مکتوب میں اس طرح دیتے ہیں:

"تجدید اور تجدد کا اصولی فرق یہ ہے کہ تجدید ہر زمانے میں انھی حقائق اور انھی صداقتوں کو جو ازل سے چلی آرہی ہیں، اپنے زمانے کی زبان میں اپنے زمانے کی ذہنیتوں اور ضروریات کے مطابق مرتب کر کے پیش کرتی ہے، اور تجدد اپنے زمانے کے فتنوں سے متاثر ہو کر ان حقیقتوں اور صداقتوں ہی میں ترمیم کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اگر ان حضرات کے نزدیک میں تجدد کا مجرم ہوں تو براہ کرم مجھے تعین کے ساتھ بتائیں کہ کہاں میں نے دین کے جوہر میں تغیر کیا ہے۔ کسی جگہ یک سرمو تغیر بھی وہ بتا دیں اور میں اس سے توبہ نہ کروں تو یقیناً مجھ سے بڑا خاطی و ظالم کوئی نہ ہو گا۔ لیکن اگر ان کی ساری ناراضی صرف اس بات پر ہے کہ میں نے پرانی حقیقتوں کے لیے نئے الفاظ اور نئے طرز بیان اختیار کیے ہیں اور ان کو موجودہ زمانے کی ذہنیتوں اور ضروریات کے مطابق مرتب کر کے پیش کیا ہے، تو مجھے بتایا جائے کہ تجدید دین کی کوشش کرنے والوں نے کس زمانے میں یہ جرم نہیں کیا ہے؟ اور کیا خود یہ حضرات معترضین اس کا ارتکاب نہیں کرتے رہے ہیں؟

"تحریک" کا لفظ جس مفہوم کے لیے میں استعمال کرتا ہوں، اس کے لیے کوئی دوسرا ایسا لفظ مجھے نہیں ملتا جو آج کل کے عام لوگوں کے ذہن میں اس کی تصویر کھینچ دے۔ 'مذہب' ایک مدت سے صرف اس معنی کے لیے مخصوص ہو گیا ہے کہ چند عقائد اور چند عبادتوں اور رسموں کا مجموعہ جن کی پابندی سے آدمی روحانی ترقی یا نجات بعد الموت کا متوقع ہو۔ اسی معنی کے لحاظ سے آج کل کے لوگ کہتے ہیں کہ مذہب ایک انفرادی چیز ہے، عابد اور معبود کے درمیان ایک پرائیویٹ تعلق ہے، اس کو اجتماعی معاملات اور ملکی انتظام سے کیا تعلق؟ اسلام کے لیے لفظ مذہب کا استعمال موجودہ دور کے لوگوں میں یہ غلط فہمی پیدا کرتا ہے کہ یہ بھی اسی جنس مذاہب کا ایک فرد ہو گا۔ رہا 'دین' تو اسے بھی ایک مدت سے مذہب اور دھرم کا ہم معنی بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ تاہم اگر دین کو اس کے وسیع معنی میں بھی استعمال کیا جائے تب بھی سننے والے کے ذہن میں اس سے صرف اتنی بات ہی آتی ہے کہ یہ پوری انسانی زندگی کے لیے ایک جامع اور ہمہ گیر نظام ہے جو عقائد و افکار سے لے کر انفرادی و اجتماعی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے جزئیات تک کا احاطہ کرتا ہے اور جس کا تعلق دنیا اور اس کے انتظام سے بھی اتنا ہی ہے جتنا حیات بعد الموت سے ہے۔ لیکن یہ بات کہ دین ایک نظام ہونے کی حیثیت سے دنیا کا انتظام خود اپنے زیر اقتدار لینے کا متقاضی ہے، اور اس کے ایک نظام ہونے کا فطری اقتضا یہی ہے کہ دوسرے نظاموں کو ہٹا کر یہ خود ان کی جگہ قائم ہو، اور اس وجہ سے دین کی پیروی قبول کرتے ہی آدمی پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ دوسرے نظاموں کے تسلط کو مٹانے اور اس نظام کو قائم کرنے کے لیے کوشش کرے، محض لفظ 'دین' سن کر آج کل کسی کے ذہن میں بھی نہیں آتی۔ اس مفہوم کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجودہ دور میں لفظ 'تحریک' اچھی طرح ادا کرتا ہے۔ اس وجہ سے میں اسلام کے لیے 'دین' کے ساتھ 'تحریک' کا لفظ بھی اکثر استعمال کرتا ہوں۔ نیز اس کوشش اور جدوجہد کے لیے بھی مجھے 'تحریک' ہی کی اصطلاح استعمال کرنی پڑتی ہے، کیونکہ جہاد اور مجاہدہ کے الفاظ جو قرآن نے اس مفہوم کے لیے اختیار کیے تھے، انحطاط کے دور میں ان کے معانی بالکل بدل کر رہ گئے ہیں۔ مجاہدہ کا لفظ سن کر آج کے لوگوں کا ذہن صوفیانہ ریاضات اور چلہ کشی کی طرف چلا جاتا ہے۔ اور 'جہاد' بولیے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ بس اب ایک لشکر مرتب ہو گا اور غنیم کے خلاف معرکہ قتال شروع ہو جائے گا۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ 'تحریک' کے نام سے جو چیز میں نے پیش کی ہے، آیا وہ دین اور جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے یا کوئی اور چیز؟ اگر کوئی اور چیز ہے تو بلاشبہ میں مجرم ہوں، لیکن اگر وہ دین اور جہاد ہی ہے تو محض اتنی بات پر بگڑ جانا کہ میں نے اس کے لیے نیا لفظ کیوں استعمال کیا، کم از کم صاحب 'معارف' اور صاحب 'صدق' جیسے حضرات کے مرتبے سے تو بہت فروتر ہے"۔ (ایضاً، ص ۲۷۷-۲۷۹)

مولانا مناظر احسن گیلانی کے نام اپنے مکتوب میں دور حاضر میں دعوت اسلامی کے کام اور اس کے مزاج اور تقاضوں پر گفتگو کرتے ہوئے اس دور کی ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی علمی بحثوں کو اس طرح کوزے میں بند کر دیتے ہیں:

"اصولاً دعوت الی اللہ کے کام کی آج بھی وہی نوعیت ہے جو پہلے تھی، یعنی غیر اللہ کی ربوبیت و حاکمیت تسلیم کرنے سے علی الاعلان انکار اور صرف رب العالمین کی ربوبیت و حاکمیت تسلیم کرنے کی طرف دعوت عام۔ یہی ہم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ستیاگرہی نہیں ہیں، جیل جانا ہمارا پروگرام نہیں ہے۔ ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ہم پکڑے ہی جائیں، پیٹے ہی جائیں، ریت پر گھسیٹے ہی جائیں۔ اگر کوئی اس دعوت میں ہماری مزاحمت نہ کرے اور حاکمیت غیر اللہ کے ابطال کو برداشت کر لے یا سیدھی طرح ہماری اس دعوت کو قبول کر لے تو چشم ما روشن و دل ما شاد۔ لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ اس چیز کو ٹھنڈے پیٹوں کبھی گوارا نہیں کیا گیا ہے، اور نہ آج گوارا کیا جائے گا۔ جب مسلمان ہی یہ آواز سن کر بگڑ کھڑے ہوتے ہیں، تو دوسروں سے ہم کیونکر توقع کر سکتے ہیں کہ وہ اسے برداشت کر لیں گے۔ اس لیے ہمیں یقین ہے کہ اس دعوت کے بلند کرنے پر آج بھی وہی کچھ پیش آکر رہے گا جو کل مکہ میں پیش آیا تھا۔ اسی مشابہت کی بنا پر ہم اپنے موجودہ حال کو زمانہ ماقبل ہجرت سے تشبیہ دیتے ہیں۔ مگر آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ: "جب تم اسے مکی زندگی کہتے ہو تو پھر تمام حصات سے وہی پروگرام رکھو جو مکہ میں تھا اور مدنیت کو اپنے پروگرام سے خارج کر دو"۔ یہ رائے اس لیے غیر صحیح ہے کہ مکہ میں تو سب کفار ہی کفار تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل ابتدا سے دعوت کا آغاز فرمایا تھا اور جو لوگ اس دعوت کو قبول کرتے تھے ان پر رفتہ رفتہ تکالیف شرعیہ عائد کی جاتی تھیں۔ لیکن یہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سارے کے سارے کفار ہی نہیں ہیں بلکہ مسلمان بھی موجود ہیں۔ اسلام بتدریج نازل نہیں ہو رہا ہے بلکہ پورے کا پورا آ چکا ہے اور مسلمانوں کے لیے واجب العمل ہے۔ اب یہ ممکن نہیں ہے کہ جو شخص یا گروہ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے اٹھے، وہ خود پورے اسلام پر عمل کرنے کے بجائے صرف اسی قدر تکالیف شرعیہ کا التزام کرے جتنی مکہ معظمہ میں اسلام قبول کرنے والوں پر عائد کی گئی تھی۔ لہٰذا ہمیں 'مکیت' کے ساتھ 'مدنیت' کو بھی لے کر چلنا ہوگا۔ غیر مسلمانوں کو تو ہم پہلے اسی چیز کی طرف دعوت دیں گے جس کی طرف انھیں مکہ میں بلایا گیا تھا، مگر جو مسلمان ہمارے ساتھ اس دعوت کے کام میں شریک ہوں گے، اور جو غیر مسلم اسلام قبول کر کے ہمارے ساتھ ملیں گے، ان کو تو اس پورے اسلام ہی کا التزام کرنا ہوگا جو قرآن اور سنت میں ملتا ہے۔ اگر دعوت دینے والے خود ہی اسلامی احکام کے ملتزم نہ ہوں تو دوسروں پر ان کی دعوت کا کیا خاک اثر پڑے گا"۔ (ایضاً، ص ۲۷۶-۲۷۷)

آج ہم ان بحثوں میں الجھے ہوئے ہیں کہ بنیادی کام اور عوامی کام میں سے کس کو ترجیح اور اولیت حاصل ہو؟ تربیت اور تیاری اور سیاسی جدوجہد اور عملی تحریک میں کیا نسبت ہو؟ نوجوانوں میں کام اور وسعت سے معیار کے تحلیل ہونے کا خطرہ ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی سوال نیا نہیں ہے۔ دیکھیے خود ۱۹۳۷ میں چودھری نیاز علی خاں کو ایک خط میں مولانا مودودی حیدر آباد دکن سے کیا لکھتے ہیں:

"میں آپ کے مشوروں کا بہت شکرگزار ہوں۔ وہ سب باتیں جو آپ نے تحریر فرمائی ہیں، میرے پیش نظر ہیں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے پہلے میری اسکیم یہی تھی کہ خاموشی کے ساتھ ایک گوشے میں بیٹھ کر کام کے آدمی تیار کیے جائیں اور پھر ان سے کوئی بڑا کام لیا جائے۔ لیکن یہ کام دیر طلب ہے اور یہاں حال یہ ہے کہ انقلاب سر پر آ گیا ہے۔ اگر اس وقت مسلمانوں میں کوئی زندگی پیدا نہ کی گئی تو پوری جماعت ڈوب جائے گی اور جب پوری جماعت ڈوب گئی تو ہمارا اور آپ کا کہیں ٹھکانا ہی نہ ہوگا کہ کوئی تعمیری کام کر سکیں۔ ایک طرف تو یہ پہلو ہے، دوسری طرف یہ حقیقت بجائے خود قائم ہے کہ محض سطحی تحریک سے کوئی پایدار فائدہ نہ ہوگا۔ تعمیری کام بہرحال ضروری ہے اور تعمیری کام یہی ہے کہ ایک باایمان اور فعال جماعت تیار کی جائے، جو پوری قوم کو بنانے کی قابلیت رکھتی ہو۔ اب مشکل یہ آ پڑی ہے کہ وقت پہلے کام کا مطالبہ کر رہا ہے جس کے لیے فوری عمل کی ضرورت ہے، اور حکمت دوسرے کام کی متقاضی ہے جو تدریجی تعمیر چاہتا ہے۔ میں کئی مہینے سے اسی فکر میں مبتلا ہوں کہ کیا کروں۔ بالآخر اب اس نتیجے پر پہنچا ہوں (اگرچہ حتمی طور پر نہیں) کہ مجھ کو یہ دونوں کام ساتھ ساتھ کرنے چاہییں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"پہلے کام کے لیے میں مخلص، پرجوش اور باعمل نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کرنا چاہتا ہوں، جو ہماری قوم کے عوام میں جائے اور ان کے اندر بیداری پیدا کرے۔ اس کا مرکز لاہور یا شمالی ہند کا کوئی مناسب مقام ہوگا۔ رہا دوسرا کام تو اس کے لیے آپ کے ادارے کو مرکز بنایا جائے گا، اور یہاں ایک نہایت گہری اور پایدار بنیاد پر تعمیری کام کرنے کے لیے اہل علم کی ایک جماعت تیار کی جائے۔ میں ان دونوں کاموں سے اپنا تعلق رکھوں اور کسی ایسی جگہ ہجرت کر جاؤں جہاں سے یہ دونوں تحریکیں با آسانی چلائی جا سکیں۔ طبیعت کا میلان لاہور کی طرف ہے کیونکہ زندگی وہیں پائی جاتی ہے، مگر مجھے ابھی تک کوئی اندازہ نہیں کہ وہاں مجھے کتنی support حاصل ہو سکے گی"۔ (ایضاً، ص ۱۰۱-۱۰۲)

چودھری نیاز علی خاں کو ائمہ کی تربیت کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور امام کا جو تصور ان کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ مولانا مودودی کے دعوتی کام اور اہداف کی بھرپور عکاسی کرتا ہے:

"امام اپنی مسجد کے حلقہ اثر میں اسلام کا نمایندہ ہے۔ اس کے اخلاق اور اس کی سیرت کو نہایت پاکیزہ ہونا چاہیے۔ ایک معمولی درجے کی دنائت یا ناشایستگی بھی اگر اس سے سرزد ہو تو غیروں کی نظر ہی میں نہیں بلکہ خود مسلمانوں کی نظر میں بھی اسلام کی وقعت گر جاتی ہے، حتیٰ کہ لوگوں کے ایمان تک خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔ اس کو اپنی زندگی ایسی بنانی چاہیے کہ گویا وہ زندہ اور چلتا پھرتا اسلام ہے۔ دلوں میں اس کی عزت اور محبت جاگزیں ہونی چاہیے، اور اس کی شخصیت میں ایسی کشش ہونی چاہیے کہ وہ اپنی بستی کا مرکز بن جائے اور اپنی مقناطیسیت سے مسجد کو بھی اسلامی آبادی کا مرکز بنا دے۔ امام کا خوش آواز ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ قرآن کو دل کش طریق سے پڑھ سکے۔ اس میں خطابت کی قابلیت بھی ضروری ہے، تاکہ جمعہ کا خطبہ برجستہ دے سکے۔ اس کا مطالعہ کافی وسیع ہونا چاہیے۔ نہ صرف احکام اسلامی سے خوب واقف ہو، بلکہ عام معلومات بھی اسے حاصل ہوں اور ایک حد تک لیڈرشپ کی اچھی صلاحیتیں اس کے اندر موجود ہوں"۔ (ایضاً، ص ۷۲)

آج ہم نوجوانوں میں کام کے لیے خطوط کار مرتب کرنے میں متردد ہیں اور "کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے" کے چکر میں ہیں۔ مولانا مودودی نے ۱۹۳۹ کے اپنے اس خط میں (بنام سید محمد نواز) ادارہ دارالاسلام سے تعلق رکھنے والوں کو تین مدارج میں تقسیم کیا ہے۔ تیسرے درجے کے لیے مجاہدین اسلام کا جو نقشہ عمل اس میں تجویز کیا گیا ہے، وہ آج بھی شباب ملی کے لیے جادہ راہ بن سکتا ہے

"ادارۂ دارالاسلام" کے دستور العمل میں ہم نے تحریک سے تعلق رکھنے والوں کو دو مدارج میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقسیم کیا ہے:

(۱) وہ جو بالکلیہ اپنے آپ کو دارالاسلام کی تحریک کے لیے وقف کر دیں اور ڈسپلن کی پوری پابندی قبول کریں۔

(۲) وہ جو محض معاون ہوں۔

"اب اگر آپ چاہتے ہیں تو تیسرا درجہ ان عام لوگوں کے لیے رکھا جاسکتا ہے جو اوپر کے مدارج میں نہ آسکتے ہوں۔ لیکن پہلے اس کام کو بے ضابطہ طور پر امتحاناً کر کے دیکھیے۔ بعد میں دستور العمل کے اندر اس کا اضافہ کر دیا جائے گا' بشرطیکہ تجربہ کامیاب ہو۔

"اس تجربے کی صورت یہ ہوگی کہ جہاں پانچ آدمی آپ کو ادارے کی رکنیت کے قابل مل جائیں وہاں ان سے عہد لے کر ادارے کی شاخ قائم کیجیے اور ان پانچ میں سے جمہوری طریق پر ایک کو صدر منتخب کرائیے۔ پھر اس صدر کے تحت جیش مرتب کیجیے۔ جیش کا نام "مجاہدین اسلام" مناسب ہے۔ اس جیش کے ارکان ادارے میں شامل نہ ہوں گے' مگر صدر ادارے کے ماتحت منظم ہوں گے۔ ان لوگوں کو پریڈ کرانے کے ماسوا حسب ذیل امور کی پابندی کرنی ہوگی:

(۱) پانچ وقت کی نماز پوری پابندی کے ساتھ اور حتی الامکان جماعت کے ساتھ۔

(۲) دیگر ارکان اسلام کی پابندی۔

(۳) محرمات شرعیہ سے اجتناب۔

(۴) قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنا اور دین اسلام سے واقفیت پیدا کرنا۔

(۵) عام مسلمانوں کے ساتھ اور غیر مسلموں کے ساتھ پوری خوش خلقی کے ساتھ پیش آنا اور ہر وقت اپنے آپ کو اسلام کا نمایندہ سمجھ کر لوگوں سے معاملہ کرنا۔

"ان پانچ امور میں ارکان جیش کی زندگی پر نگرانی رکھنا صدر کا کام ہو گا۔ صدر کو ارکان جیش میں یہ اسپرٹ پیدا کرنی چاہیے کہ جب کبھی کسی شخص سے نافرمانی کا ارتکاب ہو تو وہ پوری سچائی کے ساتھ آکر اس کا اعتراف کرے اور اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کرے۔ سزا میں صدر کو غایت درجہ اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیے' اور یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ان لوگوں کو تکلیف دینا یا ان سے انتقام لینا نہیں ہے' بلکہ ان کے نفس کا تزکیہ کرنا ہے۔ نیز یہ کوشش کرنی چاہیے کہ یہ لوگ کلمہ طیبہ کی روح اور نماز کی روح سے واقف ہوں' اور ہر مرتبہ جب نماز پڑھیں تو اپنے نفس کا احتساب کریں اور اپنے آپ کو 'ذمہ دار' سمجھتے ہوئے نماز ادا کریں۔

"ارکان ادارہ کا یہ کام ہو گا کہ جیش کے ارکان میں سے جو لوگ ان پڑھ ہوں' ان کو تعلیم دیں۔ نیز ارکان جیش کے اندر باہمی معاونت' ہمدردی اور ایک دوسرے کے معاشی حالات میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مساعدت کی اسپرٹ پیدا کرنی ہوگی۔

یہ چھ مہینے کا کورس ہے۔ اس مدت میں ارکان جیش کی شخصی زندگی کی اصلاح ہو جانی چاہیے۔ ان کو اسلام سے اچھی طرح واقف ہونا چاہیے اور ان میں سے ہر شخص کو لکھنا پڑھنا آجانا چاہیے۔

اس ٹریننگ کے بعد ارکان جیش سے جو کام لیا جائے اس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

۱۔ ان کو پانچ پانچ آدمیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم کیا جائے اور ہر ٹکڑی پر ایک افسر مقرر کیا جائے۔

۲۔ ہر ٹکڑی سے مہینے میں تین، چار یا سات دن (جیسی کہ ان کی سہولت ہو) مختلف اوقات میں (یعنی سب سے ایک ہی وقت میں نہیں بلکہ الگ الگ وقتوں میں) مانگے جائیں تاکہ وہ دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیں۔

۳۔ اولاً یہ لوگ اپنے اطراف و نواح کی مسلمان آبادیوں کو لیں اور نہایت محبت اور نرمی کے ساتھ انھیں اسلام کی تعلیمات سمجھائیں، ان کے اندر دین کی سمجھ پیدا کریں اور جتنے آدمی ان میں 'کام کے' مل سکیں، انھیں اپنے جیش میں بھرتی کرلیں۔ (نوٹ: اس تبلیغ میں پوری کوشش کی جائے کہ لوگوں کے تعصبات جاہلیت پر فوراً حملہ نہ ہو۔ ابتداً صرف کلمہ طیبہ کے معنی سمجھانے، نماز اور روزہ کی طرف راغب کرنے اور صریح محرمات سے روکنے پر زور دینا چاہیے۔ بعد میں نہایت تدریج کے ساتھ رسوم جاہلیت کے مٹانے کی کوشش کرنی چاہیے)۔

۴۔ مسلمانوں کے اندر سے قبائلی تفریق، اور نسلی عصبیت کو مٹایا جائے۔ نیز جہاں جہاں مسلمانوں میں چھوت چھات پائی جاتی ہے، یا کم درجے کی قوموں کے ساتھ تذلیل کا برتاؤ کیا جاتا ہے، وہاں اس کی اصلاح کی جائے (لعنت ملامت سے نہیں بلکہ اسلام کی جمہوریت اور مساوات کی تعلیم سے)۔ کوشش کی جائے کہ مسلمان قبائل باہم شادی بیاہ کرنے لگیں اور سب مسلمان ایک دوسرے کو برابر کا بھائی سمجھیں اور کوئی کسی کو ادنیٰ یا ذلیل نہ سمجھے۔

۵۔ سکھوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ جہاں مسلمانوں کے اختلافات ہوں، وہاں بڑی نرمی اور محبت کے ساتھ انھیں دور کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ یہ قومیں مسلمانوں سے قریب تر ہوں اور مسلمان اپنے اخلاق اور حسن معاملت سے ان کو موہنے لگیں۔

۶۔ غیر مسلم قوموں کو براہ راست تبلیغ کا مخاطب نہ بنایا جائے بلکہ جہاں تک ہوسکے indirect طریقوں سے ان کو اسلام کی بلند تعلیمات اور اسلامی جمہوریت و مساوات اور اسلامی حسن اخلاق سے متاثر کیا جائے۔ یہ تو وہ کام ہیں جو ارکان جیش سے آپ کو لینے ہیں اور اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس قسم کے تبلیغی دوروں میں یہ لوگ پورے فوجی نظم اور ڈسپلن کے ساتھ کام کریں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"رہے ادارہ دارالاسلام کے ارکان، تو ان کا کام یہ ہے کہ ارکان جیش کی تعلیم و تربیت، اور تبلیغ و دعوت کے کام میں ان کی رہنمائی کریں، اور دورے کر کے ان کے کام کی نگرانی کرتے رہیں، اور جہاں ان سے غلطیاں ہوں، وہاں ان کی اصلاح کریں۔ یہ خیال ارکان ادارہ کو بھی رہنا چاہیے اور ارکان جیش کے دل میں بھی بٹھا دینا چاہیے، کہ ان کی فوجی تنظیم ہندوؤں سے یا سکھوں سے لڑنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ صرف باضابطہ کام کرنے کے لیے ہے۔ ورنہ دراصل ان کی تحریک کا منشا اسلام کی superior moral force سے ہندوستان کو از سرنو فتح کرنا ہے۔ یہی نقش آپ کے عمل سے غیر مسلموں کے دل پر بھی بیٹھنا چاہیے تاکہ انھیں جوابی تنظیم کا خیال پیدا نہ ہو۔ میرے اس خط کو محفوظ رکھیے۔ میرے پاس اس وقت کوئی آدمی ایسا نہیں ہے کہ میں اس کی نقل کرا کے اپنے پاس رکھ سکوں"۔ (ایضاً، ص ۲۱۴-۲۱۷)

یہ بات اہم ہے کہ، مولانا کے خطوط کے سارے ذخیرہ میں غالباً صرف یہ خط ایسا ہے جس میں مولانا نے اسے محفوظ رکھنے اور اس کی نقل حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

خطوط مودودی کے اس مجموعے میں ایک خط کسی نامعلوم مستفسر کے نام ہے، جس نے رزق حلال اور وکالت کے پیشے کے بارے میں پوچھا تھا۔ یہ خط جہاں مکتوب نگار کی شخصیت کی یک رنگی اور اس کے تصور دین کا آئینہ دار ہے وہیں دعوت اور نصیحت کا بھی ایک شاہکار ہے۔ خط پورا ہی پڑھنے کے لائق ہے اور دینی ادب کے ہر مجموعے میں شمولیت کا حق دار ہے۔ اس میں اصابت فکر کے ساتھ اصلاح کی جو تڑپ ہے وہ داعی ہی کا حصہ ہے:

"عنایت نامہ مورخہ ۲۸ مارچ وصول ہوا۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں، جو کسب معیشت کے طریقوں میں حرام اور حلال کی تمیز کرنا چاہتے ہیں، ورنہ مادہ پرستی جس طرح ذہنیتوں پر چھائی ہوئی ہے، اس کا اثر تو میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ، کیا جدید تعلیم یافتہ اور کیا قدیم تعلیم یافتہ، سب کے پیش نظر جلب منفعت اور کسب زر ہے، اور جو طریقہ زیادہ پر منفعت نظر آتا ہے، اس میں حرام و حلال کی تمیز کرنے کو حماقت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وکالت کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ حقیقت سے کچھ کم ہی ہے، زیادہ نہیں ہے، وکیل اگر اس نیت سے اور اس شرط کے ساتھ کام کرے کہ حق دار کو اس کا حق دلوانے میں قانونی مدد کرے گا تو اس کا پیشہ جائز ہے اور اگر اس نیت سے بیٹھے کہ جو شخص اس کو پیسہ دے گا، خواہ وہ بر سر حق ہو، یا بر سر ظلم، بہرحال یہ اس کی مقصد بر آری میں مدد دے گا، تو یہ اس کے پیشے کو اصولاً حرام کر دے گا۔ لیکن تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وہ اصل الاصول ہے، جو تمام دنیاوی معاملات میں قرآن نے پیش کیا ہے اور اس کی خلاف ورزی بہرحال ایک معصیت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب اس معصیت کی راہ اختیار کر کے آدمی جس جس درجے کے مرتکبین حرام کے ساتھ تعاون کرے گا، اسی درجے کے حرام کا گویا وہ خود مرتکب ہو گا۔ اگر آپ نے سود خوار کو سود دلوایا تو گویا خود سود خواری کے مجرم ہوئے۔ اگر زانی کو سزا سے بچایا تو خود زنا میں معین ہوئے۔ اگر غاصب کو کسی جائز ملکیت پر قبضہ دلایا تو خود غصب میں شریک ہوئے۔ وقس علی ھذا۔

"آپ کی روح مجھے سعید معلوم ہوئی ہے، اس لیے میں آپ کو ایک نصیحت کرتا ہوں۔ اس پر آپ غور کریں گے تو آپ کو اپنی آیندہ زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔

"انسان کے لیے دنیا میں دو راستے ہیں۔ اگر وہ آخرت پر اعتقاد نہیں رکھتا اور خدا کے سامنے حاضر ہونے اور اپنی دنیوی زندگی کے اعمال کی جواب دہی کرنے کا اس کو کوئی خیال نہیں اور کامیابی اور ناکامی کا معیار اس کی نگاہ میں صرف اس دنیا کی خوش حالی و بدحالی ہے تو اس کو حرام و حلال اور جائز و ناجائز کی اخلاقی و مذہبی قیود کو بالکل نظرانداز کر دینا چاہیے اور پوری تندہی کے ساتھ دولت دنیا سمیٹنے اور اس سے لذت و عیش کے سامان فراہم کرنے میں لگ جانا چاہیے۔ اس کے لیے حرام وہ ہے جو حصول منفعت اور طلب لذات میں مانع ہو، اور حلال وہ ہے جو اس میں معاون ہو۔ اور اگر وہ آخرت پر یقین رکھتا ہے اور خدا کے سامنے اپنے آپ کو جواب دہ سمجھتا ہے اور اس کے نزدیک کامیابی یہ ہے کہ خدا کی آخری عدالت میں وہ کم از کم من حیث المجموع نیکوکار ٹھیرے اور ناکامی یہ ہے کہ آخری balance sheet میں وہ خائب و خاسر (bankrupt) نکلے، تو پھر دنیوی زندگی میں اسے اپنے نقطۂ نظر میں بنیادی تغیر کرنا پڑے گا۔ اس کو پھر اپنی کامیابی و ناکامی کا اندازہ اس لحاظ سے نہ کرنا چاہیے کہ اس نے کس قدر خوش حالی حاصل کی، کیسے کپڑے پہنے، کیسے مکان میں رہا، کیسا کھانا کھایا اور کس قدر اسباب تعیش فراہم کیے۔ بلکہ اس لحاظ سے اندازہ کرنا چاہیے کہ اپنے واجبات کو ادا کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوا، لوگوں کے حقوق اور خدا کے حقوق سے کہاں تک سبکدوش ہوا، اور افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کی بال سے زیادہ باریک راہ پر قائم رہنے میں کہاں تک کامیابی اس نے حاصل کی۔ زندگی کا یہ نقطۂ نظر جب وہ اختیار کرے گا تو پیوند لگے ہوئے کپڑوں اور سوکھے ٹکڑوں میں اس کو وہ اطمینان قلب نصیب ہو گا جو حرام کھانے والوں کو حریر و دیبا پہننے اور الوان نعمت کھانے کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتا۔

"برادرم، دنیا میں خدا کا رزق فراواں ہے۔ رزق بجائے خود طیب و طاہر ہی ہے۔ اب یہ انسان کی اپنی پسند پر موقوف ہے کہ حرام طریقے سے اس کو حاصل کرے یا حلال طریقے سے۔ یہ چور کی اپنی دوں ہمتی ہے کہ جو پاک روٹی اس کو پاک ذریعے سے مل سکتی تھی، اس نے ناپاک ذریعے سے اس کو نجس کر کے کھایا۔ دنیا میں پاک ذرائع بھی اس کثرت سے موجود ہیں جس کثرت سے ناپاک ذرائع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجود ہیں۔ اگر آپ اپنی نیت کو پاک کر لیں، اور اتنا عزم اپنے اندر پیدا کر لیں کہ اپنے ضمیر کے خلاف کوئی temptation آپ کے قدم میں لغزش پیدا نہ کر سکتا ہو، تو آپ دیکھیں گے کہ یہ ناپاک ذرائع زیادہ مشکل اور پاک ذرائع زیادہ آسان ہیں۔ اور اگر نیت میں ناپاکی موجود ہو یا عزم موجود نہ ہو، تو پھر ناپاک ذریعہ آسان اور ہر پاک ذریعہ مشکل نظر آئے گا۔ نیک نیت اور سچے عزم والے آدمی کے لیے سڑک پر بیٹھ کر جوتی گانٹھنا آسان اور لوگوں کے حقوق مار کر کروڑپتی بننا دشوار ہے۔ بخلاف اس کے بدنیت اور کم حوصلہ آدمی کو رزق حرام کے دریا بہتے ہوئے نظر آتے ہیں اور رزق حلال تلاش کرنا اسے جوئے شیر سے زیادہ مشکل نظر آتا ہے۔

"یہ ہے اصلی صورت حالات، اب آپ، لوگوں سے مشورہ کرنے اور ان کی مختلف آوازوں پر کان دھرنے کے بجائے صرف اپنے دل کی طرف نگاہ کیجیے، اور اس کو ٹٹول کر دیکھیے کہ اس کا میلان کس طرف ہے اور پھر اگر وہ اسلامی نقطہ نظر کی طرف مائل ہو تو یہ دیکھیے کہ آیا اس میں اتنا عزم بھی موجود ہے کہ وہ رزق حلال کی ایک نان جویں کو رزق حرام کے خزانوں سے زیادہ قیمتی سمجھے گا۔ اس امتحان میں اگر آپ کا قلب پورا اترے تو مسلمان کی زندگی اختیار کیجیے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً آپ کی زندگی میں برکت عطا فرمائے گا اور اگر اس امتحان میں آپ کو محسوس ہو کہ آپ کا قلب بودا ہے تو پھر ٹھیٹھ مادہ پرست بن جایئے اور خدا و آخرت کا خیال دل سے قطعی نکال دیجیے، تاکہ کم از کم دوسرے ہی راستے میں آپ انتہا کو پہنچ سکیں۔ بیچ کے مقام پر ٹھیرنے کا میں آپ کو کبھی مشورہ نہ دوں گا کیونکہ جو شخص آدھا ادھر اور آدھا ادھر ہوتا ہے وہ دوہرے نقصان میں ہے، نہ مسلمان ہی کی حیثیت سے کامیاب اور نہ مادہ پرست ہی کی حیثیت سے کامیاب"۔ (ایضاً، ص ۱۹۳-۱۹۶)

جناب آغا شورش کاشمیری کو نئی سنٹرل جیل، ملتان سے اپریل ۱۹۵۰ کے اپنے ایک خط میں بڑے لطیف لیکن طنز کی پوری کاٹ کے ساتھ ایک بے ہودہ الزام کے بارے میں استفسار کرنے پر لکھتے ہیں:

"برادرم، میں اس وقت ایسی پوزیشن میں ہوں کہ اپنے خلاف کسی الزام کی تردید کرنا تو درکنار، اکثر حالات میں یہ جاننا بھی میرے لیے مشکل ہے کہ باہر کیا الزام مجھ پر لگایا جا رہا ہے۔ یہ ایک نادر موقع ہے کہ جس کے لیے بھی مجھ پر حملہ آور ہونا مفید ہو سکتا ہو، اس کو ضرور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ انسان کا گوشت ویسے ہی ایک لذیذ چیز ہے۔ پھر جب کہ وہ مفت بٹ رہا ہو تو ہمارے موجودہ اخلاقی ماحول میں بھلا ایسے زاہد کتنے نکل آئیں گے جو اس سے متمتع ہونے میں تامل کر جائیں۔

"صحرائی صاحب نے تو جو کچھ کیا اس کا مجھے کوئی رنج نہیں کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے اور جانتے بھی ہوں تو ان کے کرنے کا کام وہی ہے جو انھوں نے کیا۔ مگر آپ نے جو مجھ سے یہ پوچھا کہ کیا تو نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکستان کی تخریب کے عزائم کا اظہار کیا اور کیا تو نے قائد اعظم مرحوم کو گالیاں دیں؟ اس سے فی الواقع مجھے بڑی اذیت ہوئی' کیونکہ آپ سے میری توقعات کچھ اور تھیں۔ برادر عزیز! کیا اب کوئی ذلیل سے ذلیل بہتان بھی میرے مرتبے سے اتنا فروتر نہیں رہا کہ آپ اسے سن کر سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ کہہ سکیں اور مجھ سے اس کے دریافت کرنے کی ضرورت نہ سمجھیں؟ اور بالفرض اگر تحقیق کرنا ضروری ہی تھا تو مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں کوئی اجنبی اور غیر معروف آدمی تو نہیں ہوں۔ کم و بیش تیس سال سے پبلک لائف میں ہوں۔ برسوں اخبار نویسی کر چکا ہوں۔ سترہ اٹھارہ برس سے 'ترجمان القرآن' نکال رہا ہوں۔ کتابوں اور رسالوں کی شکل میں میرے لکھے ہوئے ہزاروں صفحے موجود ہیں جن کو بلا مبالغہ لاکھوں آدمی پڑھ چکے ہیں۔ پاکستان اور ہندوستان میں ہزارہا آدمی ایسے موجود ہیں جنھوں نے اپنے کانوں سے میری تقریریں سنی ہیں۔ ہزاروں آدمی ذاتی طور پر میرے جاننے والے موجود ہیں۔ خود شہر لاہور میں برسوں رہ چکا ہوں۔ آپ نے کیوں نہ پبلک میں اعلان کیا کہ جو شخص ابوالاعلیٰ کو ایک بد زبان اور یا وہ گو انسان کی حیثیت سے جانتا ہو' یا جس نے اس کو کبھی اسلام اور مسلمانوں کے دشمن و بد خواہ کی حیثیت سے جانا ہو وہ اپنی شہادت پیش کرے؟ آپ نے کیوں نہ میرے نئے اور پرانے ہمسایوں سے پوچھا کہ انھوں نے کبھی کوئی گالی یا بیہودہ بات میری زبان سے سنی ہے؟ آپ نے کیوں نہ میرے ذاتی ملازموں سے پوچھا کہ میں نے کبھی ان کو سخت سست کہا ہے؟ نہیں' بلکہ جو لوگ وقتاً "فوقتاً" مجھ کو گالیاں دیتے رہے ہیں اور آج بھی گالیوں سے نواز رہے ہیں' آپ نے انھی سے قسم دے کر پوچھ لیا ہوتا کہ کبھی میں نے بھی ان کی گالی کا جواب گالی سے دیا ہے؟ یہ ساری شہادتیں اگر دنیا سے ناپید ہو چکی ہوتیں تو البتہ آپ حق بجانب تھے کہ مجھ سے دریافت فرماتے۔'

'پاکستان کی تخریب کے عزائم کا اظہار' اور وہ بھی میری زبان سے؟ سبحان اللہ! میرے عزیز' تھوڑی دیر کے لیے دین و ملت کے سوال کو بھی نظر انداز کر دیجیے۔ خالص مادی نقطہ نظر ہی سے دیکھیے تو بھلا یہ کوئی عقل میں آنے کی بات ہے کہ جو شخص خود اپنے بال بچوں سمیت اس کشتی میں سوار ہے وہ اس میں چھید کرے گا؟ کیا وہ خود یہ چاہے گا کہ اس کا اور اس کی بیوی اور بیٹیوں اور بچوں کا وہی حشر ہو جو اس کی آنکھیں مشرقی پنجاب میں اپنی قوم کی بہنوں اور بیٹیوں کا دیکھ چکی ہیں؟ اس قسم کا عجیب سوال مجھ سے کرنے کے بجائے آپ نے جیل کے ڈاکٹر سے پوچھا ہوتا کہ ابوالاعلیٰ اس قید کے زمانے میں کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا ہے؟ اگر میں عقل و خرد سے محروم نہیں ہوں تو کیا غیرت' حمیت' شرافت' سب آپ ہی لوگوں کے حصہ میں آگئی ہے؟ میرے اندر اس کا شائبہ بھی نہیں رہا؟""

(ایضاً' ص ۵۲ ۳ - ۵۴ ۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک آدھ مقام پر صیغہ واحد استعمال کرنے پر محمد اشرف صاحب نے گرفت کی۔ اس کے جواب میں مولانا لکھتے ہیں:

"ان چند فقروں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چونکہ صیغہ واحد غائب استعمال ہوا ہے، تو آپ نے بس یہ سمجھ لیا کہ میں ہمیشہ آنحضورؐ کے لیے یہی صیغہ استعمال کرتا ہوں اور اس کے بعد آپ نے یہ بھی فیصلہ کر دیا کہ واحد صیغے کا استعمال بے ادبی و گستاخی ہے، حالانکہ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر آپ میری تحریروں کا کچھ مزید مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ بالعموم میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جمع ہی کا صیغہ استعمال کرتا ہوں۔ البتہ یہ بات بھی درست ہے کہ بعض اوقات ادبی زبان اور اسلوب بیان کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے صیغہ واحد بھی استعمال کیا ہے اور انسان کی نیت ہی میں فتور نہ ہو تو صیغہ واحد بھی ادب و احترام کے منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر کس کا احترام و اکرام واجب ہو گا، مگر اس کے لیے ہم واحد ہی کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کا تعلق ہے، آپؐ کے متعلق ہماری اردو زبان کے علما و ادبا کے کلام میں صیغہ واحد کی مثالیں بکثرت مل سکتی ہیں۔ آپ نے چونکہ بعض شعرا کے اشعار درج کیے جن میں بارگاہ نبویؐ میں ہدیہ عقیدت پیش کیا گیا ہے، اس لیے میں آپ کے سامنے چند ایسے اشعار رکھتا ہوں جن میں صیغہ واحد مستعمل ہے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

(مولانا حالی)

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

(مولانا ظفر علی خاں)

کرم اے شہ عرب و عجم، کہ کھڑے ہیں منتظر کرم!
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغ سکندری

(اقبال)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"آپ خود بتائیں کہ یہ اشعار کیا محبت و عقیدت سے مملو اور لبریز نہیں ہیں، حالانکہ ان میں صیغہ واحد ہی آیا ہے؟

آپ نے یہ بجا طور پر لکھا ہے کہ آپ کسی بحث میں الجھنا نہیں چاہتے، بلکہ جس فعل کو غلط سمجھا، لکھ دیا۔ میری جوابی گزارش بھی یہی ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا مقصد بھی بحث کو بڑھانا نہیں۔ بس میں نے یہ مناسب سمجھا کہ ایک مسلمان بھائی بلاوجہ بدگمانی کا شکار نہ رہے اور ایک ایسے مسلمان بھائی کو توہین رسالت" کا مرتکب نہ قرار دے جسے ختم نبوت کے تحفظ و اثبات اور ایک متنبی کاذب کے ابطال کی خاطر پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ اس لیے اپنی حد تک اپنے اوپر غلط الزام رفع کرنے کی سعی کر دی۔ و اللہ اعلم بالصواب! (ایضاً، ص ۴۸۰-۴۸۱)

اور اخیر میں مولانا محترم کا ایک یادگار ادبی جملہ جس کا مخاطب خود یہ مضمون نگار ہی ہے۔ اس کا لطف اس وقت بھی لیا تھا جب یہ خط طلب کے بغیر مولانا کی کمال عنایت سے چراغ راہ کی خصوصی اشاعت نمبر (سوشلزم نمبر) پر مولانا کے تبصرہ کے طور پر موصول ہوا تھا اور آج بھی اس کی لذت اور ادبی لطافت میں بھی محسوس کرتا ہوں اور قارئین کو بھی اس میں شریک کرنا چاہتا ہوں۔

"آپ کا سوشلزم نمبر' میں نے بغور پڑھا۔ آپ کی محنت قابل داد اور طباعت کے معاملہ میں شدید تساہل قابل فریاد ہے"۔ (ایضاً، ص ۴۹۲)

مضمون کچھ لمبا ہو گیا، لیکن میں نے مولانا مودودی کے خطوط کی جو جھلکیاں آپ کو دکھائی ہیں اور اس طرح جو وقت ہم نے مولانا کی صحبت میں گزارا ہے وہ کم از کم میرے لیے تو فکر و نظر کی روشنی اور جذبات و احساسات کے تزکیے کا بڑا سامان لیے ہوئے ہے اور سب سے بڑھ کر دعوت اسلامی اور تحریک حق کی سربلندی کی جدوجہد کے لیے تازیانہ شوق کی حیثیت رکھتا ہے ؎

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اس امر کا اعتراف نہ کرنا بڑی ناانصافی ہوگی کہ برادران عزیز رفیع الدین ہاشمی اور سلیم منصور خالد نے یہ مجموعہ بڑی محنت اور بڑے حسن ذوق سے مرتب کیا ہے۔ صحت کتابت اور حسن طباعت کے باب میں بھی اس مجموعے کو معیاری کہا جا سکتا ہے۔ شخصیات و واقعات کے بارے میں تحقیق کا بھی حق ادا کیا گیا ہے۔ کتابیات بھی بڑی مفید معلومات کی حامل ہیں۔ بس کمی اگر رہ گئی ہے تو وہ یہ کہ اتنے قیمتی مجموعے میں ایک مفصل اشاریہ ضرور ہونا چاہیے تھا، تاکہ موضوعات کی تلاش میں سہولت ہوتی اور اس مجموعے کی افادیت دوچند ہو جاتی۔

توقع ہے کہ مرتبین مولانا مرحوم کے مزید خطوط کی تلاش اسی ذوق و شوق سے جاری رکھیں گے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور تیسری جلد کے لیے بارہ برس کی بن باس کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ خطوط مودودی کی دونوں جلدیں، جن کی تزئین و ترتیب کی سعادت انھیں حاصل ہوئی ہے، وہ علمی، تحریکی اور ادبی لٹریچر میں بیش قیمت اضافہ ہیں اور ان کے پڑھنے سے انسان مولانا مودودی ہی سے قریب نہیں آتا خود مرتبین سے بھی ایک گونہ قربت محسوس کرتا ہے--- شاید کسی ایسی ہی کیفیت کے بارے میں کہا گیا ہے: ؎

وہ تو وہ ہیں، تمھیں ہو جائے گی الفت مجھ سے
اک نظر تم مرا محبوبِ نظر تو دیکھو

(خطوط مودودی" دوم کے اس مطالعے کی پہلی اور دوسری اقساط ماہ مئی اور جون کے شماروں میں شائع ہوئی تھیں)

نیک خواہشات کے ساتھ
منجانب

TATA TEXTILE MILLS LTD.
ISLAND TEXTILE MILLS LTD
SALFI TEXTILE MILLS LTD
TATA ENERGY LTD
8,8TH FLOOR, TEXTILE PLAZA
M.A.JINNAH ROAD
KARACHI - 74000
PAKISTAN.

Ph: (H.O.):242-6761 (3 LINES)
(DIR)2426202Fax:2417710
LANDHI :7738228, Fax 7738637,
KOTRI :870932, 870979,
870237 Fax 870260
MUZAFFAR GARH:32062Fax:32662
MOB:0342 335814
HOME: (KAR) 4542090/4547515

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ کے فضل و کرم سے

ثناءاللہ نے جو چیز بنائی بہترین بنائی

ثناءاللہ

پاکستان میں اُونی اور ایکریلک مصنوعات کا
معیار قائم کرنے والے

ثناءاللہ وولن ملز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

ABC Cashmira BLANKETS

ABC KNITTING YARNS

Plush Mink BED COVERS AND BLANKETS

SANAULLA CARPET YARNS

SANAULLA WEAVING YARNS

© rasailojaraid.com